"اکیسویں صدی کی دہلیز پر"

تصنیف : نور سلطان نذر بایوف، صدر جمہوریہ قازقستان
ترجمہ : اسماء نوید - گل حسن
ناشر : قومی ادارہ برائے تاریخ و ثقافت، پاکستان
سالِ اشاعت : فروری ۱۹۹۷ء
قیمت مجلد : ۲۵۰ روپے
پیپر بیک : ۲۲۵ روپے

پاکستان میں جمہوریہ قزاقستان کے سفیر محترم جناب تماس آ. تمو خمبیتوف کے الفاظ میں کتاب "اکیسویں صدی کی دہلیز پر" کا مقصد عالمی برادری میں قزاقستان کے مقام و مرتبے اور اس کے کردار کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔ مستقبل میں ایک بااختیار ریاست کی تشکیل، جمہوری روش اور اقدار کی ترویج، اقتصادی اور خارجہ اُمور کے ضمن میں قومی سمت کا تعین، ہمسایہ اور دیگر ممالک کے ساتھ برادرانہ اشتراک جیسے معاملات میں اس نوآزاد ملک کی سوچ اور نہج کیا ہے اور کن عوامل نے اس سلسلے میں کیا کردار ادا کیا ہے؟ یہ ساری داستان ایک ایسے زیرک اور تجربہ کار شخص کی زبان سے ادا ہو رہی ہے جو عصری تاریخ کی ان تیز رفتار تبدیلیوں کا براہِ راست شاہد تھا اور تشکیل نو کے مرحلہ میں جس کے افکار اور نظریات ہی کا بنیادی کردار نہیں بلکہ جو اپنے ملک کے لیے استحکام اور ترقی کی ضمانت دینے والی راہ ڈھونڈنے میں خود سرگرداں ہے۔

مصنّف محترم اپنی کاوش کو آنکھوں دیکھے واقعات کی ایک ایسی یادداشت قرار دیتے ہیں جس میں مطلق العنان سوویت غلبہ کا کرب، گورباچوف کا گلاسناسٹ اور پیرسٹرائکا، سوویت ریاست کا زوال، سی آئی ایس کا قیام، قازقستان کی خود مختاری اور پانچ سالہ عرق ریز محنتوں اور ترقی کی داستان سمٹ آئی ہے۔

کتاب کا حد درجہ ناقص ترجمہ بالخصوص ابتدائی صفحات میں، قاری کو اچھی خاصی الجھن کا شکار رکھتا ہے لیکن ترجمے کی خستگی کے باوجود بہت سے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھتا ہے اور کئی معنی آفریں نکات سامنے آتے ہیں۔ کمیونسٹ نظام اور سوویت ریاست کے زوال پر بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے زاویہ سے نظر ڈالی ہے لیکن "اکیسویں صدی کی دہلیز پر" کا بیان ایک طرح سے اعترافِ حق ہے، ایک ایسے بے لاگ اور مخلص شخص کی طرف سے جو اس ڈرامے کے بنیادی کرداروں میں شامل تھا۔ وہ بجا طور پر یہ تسلیم نہیں کرتا کہ اتنی بڑی تبدیلی "راتوں رات" آئی۔ اگر استحکام کے بنیادی عوامل موجود ہوتے تو محض "گورباچوف کی آمد" یا "حکمرانوں کی عمومی نااہلی" سے اتنی بڑی شکست و ریخت ممکن نہ تھی۔ مصنف محترم نے اصل عوامل کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اہم ترین عوامل میں نظام کی کہنگی، معاش و اقتصاد کی خستگی، ٹیکنالوجی کی پسماندگی، ہتھیاروں کی دوڑ کا بھاری بوجھ جس کی پشت پر مضبوط معاشی ڈھانچہ اور سائنسی ہیکل اساسی نہ تھا، سماجی روابط کی کمزوری اور ثقافتی تنزل، تیز رفتار تبدیلیوں کا ساتھ نہ دے سکنے والی بوڑھی اور بیمار قیادتیں جنھوں نے اپنے آپ کو غیر متبدل قرار دیا ہوا تھا، غیر ذمہ دارانہ پالیسی، دانستہ سازشیں اور ملک کے بنیادی اور اتحاد پیدا کرنے والے عناصر کی کردار کشی اور بدنامی، فیصلوں میں تساہل کا اُس روایتی ملک جیسا انداز جو "گزری ہوئی جنگ کے لیے تیاری کرے"، غیر ضروری منصوبوں میں بے محابہ سرمایہ کاری اور بے دریغ زیاں، قومیّتوں کے مسائل کا قابل عمل حل تجویز نہ کرسکنا، سو برس کے تجربہ سے مارکسزم کے اس بنیادی دعوی' کا غلط ثابت ہونا کہ "قومیّت پر "طبقہ" کو برتری حاصل ہے اور معاشرے میں وہی اصل اور موثر عامل ہے، مرکزی انتظامی کنٹرول، مطلق العنان نظام کا عذاب جب لوگوں کے معصوم سوالات کا جواب قوّت سے دیا گیا اور وسطی ایشیا کے ضمن میں بالخصوص وہاں کی نسلی ثقافت، دین و روایات اور خاندانی نظام کا کوئی ادراک نہ ہونا۔ غرض کتاب ہر قابل ذکر گوشے کی نقاب کشائی کرتی ہے اور جہاں ضرورت محسوس ہوتی ہے شواہد و کوائف کی بنیاد پر استدلال کرتی ہے۔

قازقستان کو جن سنجیدہ مسائل کا سامنا ہے اور آئندہ کی صورت گری میں جو مشکلات پیش آسکتی ہیں ان کا کھل کر اعتراف کیا گیا ہے۔ ایک بات بلا اشتباہ واضح کردی گئی ہے کہ سی آئی ایس کا قیام اور سیاسی، معاشی روابط کا مطلب سوویت یونین کی تشکیل جدید ہرگز نہیں۔ اب قوموں کی برابری تسلیم کر کے رضاکارانہ اتحاد تو ہوسکتے ہیں لیکن سٹالن، خروشیف اور برژنیف ادوار واپس نہیں آسکیں گے۔

صدر موصوف بیرونی تعلقات کے ضمن میں مسلم اور غیر مسلم دُنیا سے روابط کا تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہیں۔ این پی ٹی کے ضمن میں امریکی دباؤ کی کہانی بلاجھجک سنائی گئی کہ قازقستان خود غیر ایٹمی ہونا چاہتا تھا لیکن اسے اپنی سلامتی کی ضمانت پر اصرار رہا۔ آزادی کے پانچ برس میں قازقستان کی عالمی

سطح پر پہچان اور مساوی حقوق، نامعروفیت کے خاتمے، تجارت میں موافق ملک کی حیثیت دلانے اور بالخصوص پڑوسیوں سے گہرے روابط کا موثر بیان ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ایک مختصر مدت میں کتنی عظیم کامیابیاں حاصل کی گئی ہیں۔

ملک کے سیاسی نظام کے ضمن میں جہاں آمریت اور جبریت کو خارج از امکان قرار دیا گیا ہے، وہیں یہ بھی واضح ہوا کہ "پاپولسٹ" نظریہ آزاد ممالک کی ضرورت پوری نہیں کرتا۔ دلائل سے واضح کیا گیا کہ "جمہوریت" اور "انتخابات" کو لازماً ایک سمجھنا غلطی ہے۔ یہ کہ ملک میں جمہوریت ہو گی، لیکن اس کا راستہ خود قازق عوام اور اس کی لیڈر شپ نے متعین کرنا ہے۔ فوری تبدیلی دیرپا نہیں ہوتی اور انتشار کا باعث بنتی ہے، جیسے سوویت یونین کے ضمن میں ہوا۔ بہتر ہے انسان خود اپنے مسائل کو اپنا سب سے بڑا معلم بنائے جو ترقی کا ارتقائی اور فطری طریقہ ہے۔

کتاب کا ایک خوشگوار پہلو اسلام کی عظیم تمدّنی حیثیت کا تعارف اور اس کے آفاقی کردار کا اظہار ہے۔ شخصیّتوں اور مملکتوں سے تعارف کے واقعات بالخصوص مکّہ و مدینہ کا سفرِ حج بہت والہانہ انداز میں بیان ہوئے۔

آخر میں ایک بار پھر یہ تنبیہ ضروری لگتی ہے کہ ایک انتہائی اہم موضوع پر ایک اتنی ہی اہم عالمی شخصیّت کی تحریر اُردو زبان میں متعارف کرانے کے لیے جن مترجمین کو تکلیف دی گئی وہ شاید اس بھاری بوجھ کو اٹھانے کی طاقت ہی نہیں رکھتے تھے۔ قومی ادارہ برائے تاریخ و ثقافت کو آئندہ کی کاوشوں میں یہ بات ضرور پیش نظر رکھنی چاہیے۔

مدیر کے نام

ذیشان طاہر
کراچی

اُمید ہے میری ان گزارشات کو آپ اپنے پرچہ میں جگہ دیں گے۔

۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو جب سابق سوویت یونین نے اپنے سے کئی گنا چھوٹے ملک افغانستان پر حملہ کیا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ دنیا کے نقشے پر موجود اپنے رقبے کو اور وسیع کر سکے اور گرم پانی تک